4

وہ کونسے ذرائع ہیں جن سے خدمتِ دین اور علمی ترقی کا جذبہ دائمی طور پر جماعت میں قائم رہے؟

جماعت کے نوجوان خصوصیت کے ساتھ اس سوال پر غور کریں اور پھر جس نتیجہ پر پہنچیں اُس سے مجھے بھی اطلاع دیں

(فرمودہ 27 جنوری 1956ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''یوں تو کئی دنوں کے بعد آج صبح کے وقت طبیعت اچھی تھی اور اصل بیماری میں نمایاں فرق نظر آتا تھا لیکن اچانک مجھے پیچش کی شکایت ہوگئی۔ یہ پیچش صبح کی نماز کے وقت سے شروع ہے جس کی وجہ سے مجھے آج بھی خطبہ کو مختصر رکھنا پڑے گا۔

میں آج جماعت کے نوجوانوں سے بالعموم اور مبلغین کلاس کے طلباء سے بالخصوص یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کچھ باتیں ایسی ہیں جو انہیں ہمیشہ سوچنی چاہییں۔ آخر دنیا میں دو ہی قسم کے نظارے نظر آتے ہیں۔ ایک تو خدائی نظام ہے اور دوسرا دنیوی نظام ہے۔ دین کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ دنیا سات ہزار سال سے چل رہی ہے۔ اور سائنس کے ماہرین کے نزدیک

سات ہزار سال تو الگ رہا سات اَرب کا اندازہ بھی کم ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک یہ دنیا سات کھرب سال سے چلتی چلی آ رہی ہے۔ بہرحال اِس دنیا میں جو سات ہزار یا سات کھرب سال سے چلتی چلی آ رہی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ خدائی قانون کے ماتحت ایک بیل مرتا ہے تو کچھ اَور بیل پیدا ہو جاتے ہیں، ایک بھینسا مرتا ہے تو کچھ اَور بھینسے پیدا ہو جاتے ہیں، فاختائیں مرتی ہیں تو کچھ اَور فاختائیں پیدا ہو جاتی ہیں، کبوتر مرتے ہیں تو کچھ اَور کبوتر پیدا ہو جاتے ہیں، مُرغیاں مرتی ہیں تو کچھ اَور مرغیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اِسی طرح انسان مرتے ہیں تو اُن کی جگہ کچھ اَور انسان پیدا ہو جاتے ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے تو تاریخ محفوظ نہیں لیکن سینکڑوں سال تک کی تاریخ محفوظ ہے اور ان سینکڑوں سال کی تاریخ پر جب ہم نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں یہی نظارہ نظر آتا ہے کہ ہر زمانہ میں انسان ایک دوسرے کی جگہ لینے کے لیے آتے رہے ہیں۔ کسی وقت اگر رومی بادشاہ نظر آتے ہیں تو ان کے بعد ایرانی بادشاہ آ جاتے ہیں۔ جب ایرانی بادشاہ مٹ جاتے ہیں تو یونانی بادشاہ نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ جب یونانی بادشاہ مٹ جاتے ہیں تو مغل بادشاہ نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ جب مغل بادشاہ مٹ جاتے ہیں تو پٹھان بادشاہ نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ پھر یورپ کو دیکھ لو وہاں بعض جگہ ہزاروں سال سے بادشاہت کا ایک تسلسل نظر آتا ہے۔ اِسی طرح روس کو لوگ ظالم کہتے ہیں اور اُس نے فی الواقع بڑے ظلم کیے ہیں لیکن اس میں بھی حکومت کا ایک تسلسل قائم تھا اور آج تک قائم چلا آتا ہے۔ مثلاً دیکھو زار مٹ گیا تو اُس کی جگہ لینن آ گیا، لینن مر گیا تو اُس کی جگہ سٹالن نے لے لی، جب سٹالن مر گیا تو حکومت کی باگ ڈور مالنکوف نے سنبھال لی اور مالنکوف کے بعد بلگانن آگے آ گیا۔ بہرحال ہمیں روس میں بھی یہ نظر آتا ہے کہ جب ایک لیڈر مرتا یا استعفیٰ دیتا ہے تو دوسرا اُس کی جگہ لینے کے لیے آ جاتا ہے

لیکن کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں میں حکومت کا یہ تسلسل نظر نہیں آتا۔ بیشک شروع شروع میں کچھ عرصہ تک ایک تسلسل نظر آتا ہے لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ کی جگہ حضرت ابوبکرؓ نے لے لی۔ حضرت ابوبکرؓ فوت ہوئے تو حضرت عمرؓ نے آپ کی جگہ لے لی۔ حضرت عمرؓ فوت ہوئے تو چاہیے

حضرت عثمانؓ اُس شان کے خلیفہ نہیں تھے جس شان کے حضرت عمرؓ تھے لیکن بہرحال انہوں نے حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد کام سنبھالا اور اُن کی جگہ لے لی۔ جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو حضرت علیؓ نے اُن کی جگہ لے لی۔ اور جب حضرت علیؓ شہید ہوئے تو بنوامیہ نے اُن کی جگہ لے لی۔ بنوامیہ کے زوال کے بعد بنوعباس برسرِ اقتدار آ گئے اور انہوں نے اسلامی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ لیکن اس کے بعد یہ تسلسل قائم نہیں رہا۔ اس کے مقابلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ میں ہزار ہزار سال تک بعض خاندان برسرِ اقتدار رہے ہیں۔ روس اور چین میں بھی اِس قسم کا تسلسل نظر آتا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں یہ تسلسل نظر نہیں آتا۔ مثلاً دیکھو عربوں کے بعد ایرانی غالب آئے اور ایرانیوں کے انحطاط کے بعد مغل آ گے آئے۔ جب مغل مِٹ گئے تو پٹھانوں نے زمامِ حکومت سنبھالی اور پٹھانوں کے بعد دوسری قومیں آئیں لیکن ایک ہی قوم یا ایک ہی خاندان میں مسلسل حکومت نہیں چلی۔

میرے نزدیک اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپین لوگوں کو اپنے نفسوں پر قابو ہے لیکن ہمیں وہ قابو حاصل نہیں۔ ان میں سے جو لوگ قابل ہوتے ہیں وہ اُن کی قابلیت قبول کرتے ہیں اور اُن کے پیچھے چلتے ہیں۔ اُن میں یہ نہیں ہوتا کہ وہ قابل لوگوں کو نیچے گرا دیں اور اُن کی جگہ خود سنبھال لیں۔ لیکن مسلمانوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ وہ قابل لوگوں کی قدر نہیں کرتے اور نہ ان کے پیچھے چلتے ہیں بلکہ انہیں گرا کر خود ان کی جگہ سنبھال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم قابلیت اور نا قابلیت کو نہیں جانتے ہمیں صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ کسی طرح یہ جگہ خود سنبھال لیں اور اِس مقصد کی خاطر اگر دوسرا شخص قابل بھی ہو تب بھی اُسے گھسیٹنا چاہیے اور اُس کی جگہ خود لینی چاہیے۔

مجھے ایک دفعہ شیخ بشیر احمد صاحب نے بتایا کہ بنگال کے ایک بہت بڑے لیڈر لاہور آئے تو میں نے اُن سے کہا کہ جناب آجکل بنگال میں کیا ہو رہا ہے۔ اگر یہی فتنہ جاری رہا تو پاکستان کا امن مخدوش ہو جائے گا۔ اُس بنگالی لیڈر نے کہا شیخ صاحب! یہ تو درست ہے کہ بنگالی لڑائی نہیں کر سکتے لیکن ہم میں ایک اَور خصوصیت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ چاہے کوئی آجائے ہم اُس کے لیے اپنی کرسی چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں آ جاؤ اور اس جگہ کو سنبھال لو۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ہم میں یہ وصف بھی ہے کہ ہم اسے اطمینان سے بیٹھنے نہیں دیتے بلکہ اسے اتنا گھسیٹتے ہیں کہ وہ مجبور ہو کر کرسی چھوڑ دیتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ یہی مسلمانوں کی عادت ہے کہ وہ نہ خود حکومت کی کرسی پر بیٹھتے ہیں اور نہ کسی اَور کو بیٹھنے دیتے ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے اور باوجود اِس کے کہ اعلیٰ تعلیم ہمیں ملی ہے دنیا میں ہمارا کوئی اثر نہیں۔ حالانکہ اس تعلیم سے فائدہ اُٹھا کر یورپین اقوام نے بڑی لمبی حکومت کی ہے۔

تم دیکھو ابنِ رُشد سپین میں پیدا ہوا تھا۔ سپین میں اس کی کتابیں صرف بیس پچیس سال تک پڑھائی گئیں لیکن فرانس میں اس کی کتابیں چار سَو سال تک پڑھائی گئیں۔ گویا اُس کی اپنی قوم اور اپنے ہم مذہب لوگوں نے تو اُس کی کتابوں کو بیس پچیس سال کے بعد چھوڑ دیا لیکن یورپین اقوام اب بھی اُس کا نام بڑے ادب اور احترام سے لیتی ہیں اور تسلیم کرتی ہیں کہ ہمارے کالجوں میں ابنِ رُشد کی کتابیں چار سَو سال تک پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ آخر ہمیں سوچنا چاہیے کہ کیا نقص ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ ہمیشہ قابل لوگوں کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں؟ اور پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں میں قابل لوگوں کا سلسلہ بہت کم ہے حالانکہ اس سلسلہ کو بہت وسیع ہونا چاہیے تھا؟ ایک مسلمان ایک دن میں کئی بار دعا کرتا ہے کہ **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیمَ وَعَلٰی اٰلِ إِبْرَاھِیمَ إِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیمَ وَعَلٰی اٰلِ إِبْرَاھِیمَ إِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ** حضرت ابراہیم علیہ السلام پر چار ہزار سال کا عرصہ گزر چکا ہے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام سے اس زمانہ تک اُنیس سَو سال اور حضرت مسیح علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک اٹھارہ سَو سال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک دوسَو سال، کُل انتالیس سَو سال ہو گئے اور کم از کم اندازہ ہے۔ عیسائیوں کے اندازے تو اِس سے زیادہ ہیں۔ اُن کے اندازہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام پر چار ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ بہرحال ہم دعا تو یہ کرتے ہیں کہ اے اللہ! تُو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر وہی برکات نازل فرما جو تُو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر نازل کی تھیں اور عملاً

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند سال بعد ہی آپس میں لڑنے لگ جاتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا عرصہ بارہ سال ہے لیکن ان کی خلافت کے ابتدائی دوسال گزر جانے کے بعد ہی مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میرا اَور تو کوئی قصور نہیں صرف اِتنی بات ہے کہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے خلافت کا عرصہ زیادہ لمبا ہو گیا ہے اور لوگوں پر گراں گزرتا ہے حالانکہ آپ کی ساری خلافت صرف بارہ سال کی تھی۔ غرض ہمیں سوچنا چاہیے کہ جو بات دنیا کی دوسری اقوام میں پائی جاتی ہے وہ مسلمانوں میں کیوں نہیں پائی جاتی۔

پھر یہ بات آدمیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ علوم کے بارہ میں بھی ہم میں یہی نقص پایا جاتا ہے۔ ابنِ سینا اور ابنِ رُشد نے جس حد تک ترقی کی تھی ہم نے اُس پر دھرنا مار لیا ہے۔ مگر یورپ نے انہی کے علوم کو ترقی دے کر دنیا میں علمی طور پر بلند مقام پیدا کر لیا ہے۔ یورپ کے مصنفین مسلمانوں کے علوم کی ہی نقل کرتے ہیں اور خود اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کے علوم کو ترقی دے کر اس مقام کو حاصل کیا ہے۔ لیکن ہم نے بجائے ترقی کرنے کے یہ فیصلہ کر لیا کہ جو شخص ارسطو اور سُقراط کے خلاف کوئی بات کہتا ہے وہ کافر ہے۔ گویا ایک طرف تو ہم اپنے پرانے بزرگوں کے اِس قدر قائل ہیں کہ اُن کے خلاف رائے دینے والے کو گردن زدنی قرار دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف اپنے موجودہ بزرگوں کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس تم اس کے متعلق غور کرو اور مجھ سے بھی مشورہ کرو۔

طلباء کو مجھ سے ملاقات کرنے کا اُسی طرح حق ہے جس طرح بڑوں کو ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھی طلباء آتے تھے اور آپ سے مختلف مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا بھی یہی طریق تھا۔ ہم طالبعلم آپ کے پاس چلے جاتے اور مختلف علمی سوالات دریافت کرتے اور آپ اُن کے جوابات دیا کرتے تھے۔ صرف مجھے آپ اعتراض کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ حافظ روشن علی صاحب کو تنقید کرنے اور سوالات کرنے کی بڑی عادت تھی۔ اُنہیں دیکھ کر ایک دن میں نے بھی بعض سوالات کر دیئے تو آپ نے فرمایا میاں! حافظ روشن علی کو دیکھ کر تمہیں بھی سوالات کرنے کا شوق پیدا ہوا ہے۔

اُس کے بعد آپ نے فرمایا میں علم کے بارہ میں بخیل نہیں ہوں۔ مجھے جو کچھ آتا ہے وہ میں بتا دیتا ہوں۔لیکن جو مجھے نہیں آتا وہ میں کیسے بتاؤں؟ اگر یہ باتیں مجھے معلوم ہوتیں تو کیا یہ ہو سکتا تھا کہ تمہیں نہ بتاتا؟ پس تم حافظ روشن علی کی نقل نہ کرو بلکہ خود بھی سوچو اور غور کرو۔ آخر قرآن کریم میرا ہی نہیں تمہارا بھی ہے۔ اگر مجھے کوئی بات نہیں آتی تو تمہارا بھی فرض ہے کہ تم خود قرآن کریم کی آیات پر غور کرو اور ان پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں اُن کا جواب دو۔ میں بھی طلباء سے یہی کہتا ہوں کہ وہ خود غور کرنے کی عادت ڈالیں اور جو باتیں میں نے بیان کی ہیں اُن کے متعلق سوچیں اور پھر دوسرے لوگوں میں بھی انہیں پھیلانے کی کوشش کریں۔

یاد رکھو! صرف کتابیں پڑھنا ہی کافی نہیں بلکہ ان میں جو کمی تمہیں نظر آتی ہے اُسے دور کرنا بھی تمہارا فرض ہے۔ مثلاً تفسیر کبیر کو ہی لے لو۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن کریم کا بہت کچھ علم دیا ہے لیکن کئی باتیں ایسی بھی ہوں گی جن کا ذکر میری تفسیر میں نہیں آیا۔ اس لیے اگر تمہیں تفسیر میں کوئی بات نظر نہ آئے تو تم خود اُس بارہ میں غور کرو اور سمجھ لو کہ شاید اس کا ذکر کرنا مجھے یاد نہ رہا ہو اور اِس وجہ سے میں نے نہ لکھی ہو یا ممکن ہے وہ میرے ذہن میں ہی نہ آئی ہو اور اِس وجہ سے وہ رہ گئی ہو۔ بہرحال اگر تمہیں اس میں کوئی کمی دکھائی دے تو تمہارا فرض ہے کہ تم خود قرآن کریم کی آیت پر غور کرو اور ان اعتراضات کو دور کرو جو ان پر وارد ہوتے ہیں۔

پھر تم اس بات کے متعلق بھی غور کرو کہ انگلینڈ اور امریکہ کو کیوں لائق آدمی مل جاتے ہیں اور ہمیں کیوں نہیں ملتے؟ تم میں سے بعض سمجھتے ہوں گے کہ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ انہیں تنخواہیں زیادہ ملتی ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہاں گورنمنٹ کی تنخواہوں اور فرموں کی تنخواہوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ لیکن پھر بھی گورنمنٹ کو اچھے کارکن مل جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے انگلستان کا ایک وزیرِ خزانہ تھا جسے دوسرے وزراء سے زیادہ تنخواہ ملتی تھی۔ لیکن اس نے اپنے عُہدہ سے اس لیے استعفٰی دے دیا کہ اُسے کوئی فرم تین گُنا زیادہ تنخواہ پیش کر رہی تھی۔ اُسے اُن دنوں دس ہزار پونڈ یعنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ لیکن ایک فرم نے اُسے اس سے تین گُنا یعنی ساڑھے چار لاکھ روپیہ پیش کر دیا۔ تو وہاں کی گورنمنٹ کی تنخواہوں

اور فرموں کی تنخواہوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ لیکن پھر بھی ایک وزیر ہٹتا یا اپنے عہدہ سے استعفٰی دیتا ہے تو انہیں دوسرا وزیر مل جاتا ہے۔ پھر ہم پر یہ کیا آفت ہے کہ ہمیں کسی کارکن کا قائم مقام ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ تمہاری تنخواہوں اور گورنمنٹ کی تنخواہوں میں اتنا فرق نہیں جتنا انگلینڈ اور امریکہ میں گورنمنٹ اور پرائیویٹ فرموں کی تنخواہوں میں فرق ہے۔

اِسی طرح تمہارے علماء کو کتابیں تصنیف کرنے کا کوئی شوق نہیں لیکن انگلینڈ اور امریکہ میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنہوں نے پچاس پچاس سال تک فاقہ میں رہ کر زندگی بسر کی لیکن اِس کے باوجود انہوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ انگلستان کا ایک مشہور مصنف ہے جس نے انگریزی زبان کی ڈکشنری لکھی ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ اُسے مالک مکان نے مکان سے نکال دیا اِس لیے کہ اُس نے کرایہ نہیں دیا تھا لیکن وہاں کے بڑے بڑے لوگ بھی جب اُس کا نام لیتے ہیں تو بڑی عزت سے لیتے ہیں۔ شکسپیئر کو ہی لے لو جس کے ڈرامے تمام دنیا میں مشہور ہیں۔ اس کے متعلق بھی مشہور ہے کہ بعض اوقات اس پر قرضہ ہو جاتا یا اسے فاقہ میں رہنا پڑتا تو وہ کسی امیر کے ہاں چلا جاتا اور اُس سے کہتا کہ وہ اُسے کچھ دے تا وہ اپنا قرضہ اُتار سکے یا فاقہ سے نجات حاصل کر سکے۔ غرض وہ لوگ فاقوں کی پروا نہیں کرتے اور علم کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہاں علم کو بڑھانے کی طرف کوئی رغبت نہیں؟ یہاں جو بھی عالم ہوتا ہے اُس کی قلم کو زنگ لگ جاتا ہے۔ اور پھر اگر کوئی کتاب لکھتا ہے تو ساتھ ہی مجھے درخواست پہنچ جاتی ہے کہ حضور! جماعت کے پاس میری سفارش کریں کہ وہ میری یہ کتاب خرید لے۔ لیکن انگلستان اور امریکہ میں یہ رواج نہیں۔ وہاں لوگ کتابیں لکھتے ہیں اور کسی مطبع یا فرم کو دے دیتے ہیں کہ تم اسے شائع کر دو نفع اور نقصان تمہارا۔ تم اسے بیچو مجھے یہی فائدہ کافی ہے کہ دنیا تک میرا علم پہنچ جائے گا۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو تم ایسا کیوں نہیں کرتے؟ تمہیں بھی چاہیے تھا کہ کتابیں تصنیف کرتے اور کسی ادارہ کو دے دیتے کہ وہ انہیں شائع کر دے۔ اور سمجھتے کہ میرے لیے یہی معاوضہ کافی ہے کہ میں اپنے ملک اور قوم میں علم کی اشاعت کا موجب بنا ہوں۔

پس تم ان امور پر غور کرو اور جس نتیجہ تک تم پہنچو اُس سے مجھے بھی اطلاع دو۔

آخر اِس جماعت نے قیامت تک چلنا ہے اور اگر اسے کام کرنے والے نہ ملے تو یہ قیامت تک چلے گی کیسے؟ ہمارے ہاں تو چاہیے تھا کہ اگر ایک کارکن ریٹائر ہوتا یا فوت ہوتا تو اُس کی جگہ بیس بیس کام کرنے والے مل جاتے اور اِس طرح کام جاری رہتا۔ لیکن اب یہ حالت ہے کہ ایک ناظر مرتا ہے تو دو دو نسل تک اُس کا قائم مقام نظر نہیں آتا۔ آخر تم سوچو کہ اِس کی کیا وجہ ہے؟ وہ کونسا گناہ ہے جو ہم نے کیا ہے اور عیسائیوں نے نہیں کیا؟ وہ کونسی کوتاہی ہے جو ہم سے سرزد ہوئی ہے لیکن عیسائیوں سے وہ سرزد نہیں ہوئی؟ اُن کے ہاں جب کوئی کارکن ریٹائر ہوتا ہے یا مرتا ہے تو قوم کے بیسیوں نوجوان اُس کی جگہ لینے کے لیے آ جاتے ہیں مگر ہماری جماعت میں ایسا نہیں۔ یہاں بیسیوں سال تک قائم مقام نہیں ملتا۔ مثلاً انگلستان میں چار سَو سال سے فوج کے بڑے بڑے عُہدوں پر نواب مقرر ہوتے ہیں جن کی تنخواہوں سے زیادہ اُن کی پرائیویٹ آمدنیں ہوتی ہیں اور اُن سے وہ اپنے اخراجات پورے کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی ایسے امیر لوگ ہیں جو اپنی اولاد کو قومی خدمت میں لگا سکتے ہیں اور پھر اُن کے اخراجات بھی مہیا کر سکتے ہیں لیکن یہاں امراء کو وقف کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر کوئی غریب خاندان میں سے زندگی وقف کر کے آ جاتا ہے تو امراء اُس کی عزت نہیں کرتے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تو قابلِ فخر بات تھی کہ جب کوئی کام کرنے والا موجود نہ تھا تو یہ لوگ آگے آ گئے اور انہوں نے دین کا کام سنبھال لیا۔ پس میں نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ وہ اِن باتوں پر غور کریں اور نہ صرف اپنی اصلاح کریں بلکہ اپنے دوستوں کی بھی اصلاح کریں۔

یورپ میں یہ قاعدہ ہے کہ نوجوان کسی ایک خیال کو لے لیتے ہیں اور پھر اُس کی تحریک دوسرے نوجوانوں میں کر کے ایک سوسائٹی بنا لیتے ہیں۔ اِسی طرح یہاں بھی ہونا چاہیے۔ انصاراللہ اور خدام الاحمدیہ کے سپرد تو اَور بھی کئی اہم کام ہیں۔ یہ تمہارا فرض ہے کہ تم غور کرو اور سوچو اور اِس کے بعد کسی ایک خیال کو لے کر اپنی سوسائٹی بنا لو۔ اور اُس خیال کو دوسرے نوجوانوں میں رائج کرنے کی کوشش کرو اور انہیں بتاؤ کہ تمہارا فرض ہے کہ تم جماعت کے کاموں کو رُکنے نہ دو بلکہ انہیں پوری طرح جاری رکھنے کی کوشش کرو۔ یہ کہنا کہ یہاں تنخواہ کم ملتی ہے درست امر نہیں۔ یورپ میں گورنمنٹ کی تنخواہوں اور پرائیویٹ فرموں کی تنخواہوں

میں بہت زیادہ فرق ہے۔ لیکن پھر بھی حکومت کو کام کرنے والے آدمی ملتے رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو کھانا بہت سادہ ہوتا ہے لیکن وہاں شراب کے ہی ایک گلاس پر اتنا خرچ آ جاتا ہے کہ ہم اُسی خرچ میں ہفتوں گزارہ کر سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہاں لوگ قومی کاموں کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرتے ہیں۔ پس تم ان باتوں پر غور کرو اور پھر مجھے بتاؤ کہ تم نے غور کرنے کے بعد کونسی صورت نکالی ہے کہ جس کے ذریعہ جماعت میں قومی خدمت کا جذبہ قیامت تک قائم رہے۔

اِسی طرح جامعۃ المبشرین کے وہ طلباء جو آئندہ شاہد بننے والے ہیں اُنہیں چاہیے کہ وہ دوسرے کالجوں کے طلباء سے بھی دوستی پیدا کریں تا کہ اُن کے خیالات میں تنوع پیدا ہو۔ کیمبرج، آکسفورڈ اور قرطبہ کے کالجوں کو پادریوں اور مولویوں نے ہی شروع کیا تھا اور وہی ابتدا میں پڑھایا کرتے تھے لیکن اب ہمارے علماء یونیورسٹیاں اور کالج بنانے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اب وہ لوگ کالج بنا رہے ہیں جن کا صرف تنظیم سے تعلق ہے علم سے تعلق نہیں۔ اگر علماء اپنے فرائض کی طرف توجہ کرتے تو یہ اُن کا کام تھا کہ کالج بناتے اور لوگوں میں تحریک کر کے ان میں جوش پیدا کرتے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں جو میں اِس وقت کہہ رہا ہوں۔ مسلمانوں میں ایسے علماء گزرے ہیں جنہوں نے باقاعدہ کالج چلائے اور قوم میں ایسے نوجوان تیار کیے جنہوں نے بعد میں اسلام کی بڑی خدمت کی۔ ایران کے ایک عالم نے اپنے شاگردوں میں سے چھ سَو مبلغ ہندوستان میں تبلیغ کے لیے بھجوائے تھے۔ پھر خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ نے سینکڑوں آدمی تبلیغِ اسلام کے لیے تیار کیے جنہوں نے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تم میں یہ روح نہیں پائی جاتی اور کیا وجہ ہے کہ تم اِس روح کو دائمی طور پر قائم رکھنے کے لیے ایسے شاگرد پیدا نہیں کرتے جو دین کی خدمت کے لیے آگے آئیں حالانکہ تمہارا بھی فرض تھا کہ تم ایسے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چل کر ایسے شاگرد تیار کرتے جو اسلام کا جھنڈا اکنافِ عالَم میں بلند کرتے اور اشاعتِ علوم کا فریضہ بجا لاتے۔

یاد رکھو! جماعت میں علوم کو جاری رکھنا اور علمی کتب کی تصنیف کا سلسلہ جاری رکھنا تمہارا فرض ہے۔ میں نے یہاں اشاعتِ کتب کے لیے دو کمپنیاں بنائی تھیں مگر وہ کام کو

پوری طرح ادا نہیں کر رہیں۔ ایک دو کتابیں شائع کرنے کے بعد سو جاتی ہیں۔ جو کتابیں اِس وقت تک لکھی جا چکی ہیں وہ بھی ابھی تک شائع نہیں ہوسکیں۔ یورپ والے دوسَو سال کی پرانی کتاب بھی شائع کر دیتے ہیں اور اس بات کی پروانہیں کرتے کہ اُسے کوئی خریدتا ہے یا نہیں۔ اُن کا صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ کتاب دنیا میں موجود رہے۔ لیکن ہمارے ہاں رواج ہے کہ جو کام بھی کوئی شخص کرے گا تجارتی نقطہ نگاہ سے کرے گا۔ مثلاً اگر اس کے سپرد دین کی کوئی خدمت کی جائے گی تو وہ فوراً کہے گا اِس کے بدلہ میں مجھے کیا ملے گا؟ اگر وہ کوئی کتاب لکھے گا تو پہلے یہ سوچے گا کہ اس سے مجھے کتنا منافع ملے گا۔

لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی سرد ملک کا آدمی تیز دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اُس کے پاس سے کوئی شخص گزرا۔ اُس نے اُسے دھوپ میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر کہا میاں! اِتنی تیز دھوپ میں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ پاس ہی سایہ ہے یہاں آ کر بیٹھ جاؤ۔ اُس نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور کہا اگر میں سایہ میں بیٹھ جاؤں تو تم مجھے کیا دو گے؟ یہی حالت ہمارے لوگوں کی ہے کہ وہ جو کام بھی کریں گے کسی دنیوی فائدہ کے پیشِ نظر کریں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمیں دیں گے کیا؟ حالانکہ ان کی کسی خدمت کے نتیجہ میں یا کسی کتاب کی تصنیف کے نتیجہ میں جو فائدہ قوم کو پہنچے گا وہ کوئی کم فائدہ نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی قوم کے بعض افراد کو پڑھاتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے اور اس کی کوشش کے نتیجہ میں قوم میں تعلیم کی اشاعت ہوتی ہے تو اس سے زیادہ تنخواہ اَور کیا ہوگی۔

پس میں نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ وہ جماعت میں اشاعتِ علوم کی روح کو قائم رکھیں اور سوچیں کہ ہماری کمزوریوں کے دور کرنے کے کیا ذرائع ہیں۔ اور ایسی سکیمیں تیار کریں جن پر عمل پیرا ہو کر جماعت کے کاموں کو ترقی دی جا سکتی ہو۔ کل کو وہ بھی بڑے بننے والے ہیں۔ اگر آج ان کا استاد پچاس سال کا ہے اور وہ تیس سال کے نوجوان ہیں تو بیس سال گزرنے کے بعد وہ بھی پچاس سال کے ہو جائیں گے اور ان کے کندھوں پر جماعت کا بوجھ آ پڑے گا۔ اگر آج سے انہوں نے اس کام کے لیے تیاری شروع نہ کی تو پچاس سال کی عمر میں ان کے دل بھی ویسے ہی کُڑھیں گے جیسے اب میرا

دل کُڑھ رہا ہے۔

پھر اس کام کے لیے دنیوی تدابیر اور دعاؤں کی بھی ضرورت ہے۔ اِس کی طرف بھی تمہیں توجہ کرنی چاہیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ الہاماً فرمایا کہ

''اگر تمام لوگ مُنہ پھیر لیں تو میں زمین کے نیچے سے یا آسمان کے اوپر سے مدد کر سکتا ہوں''۔1

مگر یہ مدد دعاؤں کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگر تم بھی دعائیں کرو اور خدا تعالیٰ کی طرف سے خواب یا الہام کے ذریعہ تمہیں اطمینان دلا دیا جائے کہ تم کامیاب ہو گے تو تمہارے دل کتنے خوش ہوں گے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ الہام نازل ہوا ہو گا کہ ''اگر تمام لوگ منہ پھیر لیں تو میں زمین کے نیچے سے یا آسمان کے اوپر سے مدد کر سکتا ہوں''۔تو آپ کا دل کتنا مضبوط ہوا ہو گا اور آپ کس طرح ہر قسم کی مشکلات کے باوجود دنیا کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہو گئے ہوں گے۔ پس تم بھی دعائیں کرو اور اپنے طور پر کوششیں جاری رکھو اور مجھ سے بھی اپنی کوششوں کا ذکر کرتے رہو اور مجھے بتاتے رہو کہ تم نے میری اِس نصیحت سے کیا فائدہ اُٹھایا ہے۔

میں نے ایک دفعہ تعلیم الاسلام کالج میں تقریر کی اور نوجوانوں کو تحریک کی کہ انہیں اپنی زندگیاں خدمتِ دین کے لیے وقف کرنی چاہییں اور پروفیسروں کو بھی توجہ دلائی کہ وہ اپنے شاگردوں کو وقف کی رغبت دلائیں مگر اتنے دن ہو گئے ابھی تک کالج کے کسی لڑکے نے اپنی زندگی وقف نہیں کی۔ اِسی طرح چار پانچ سال ہوئے میں نے کالج کے ایک پروفیسر کو اس کام پر مقرر کیا لیکن اُس نے بھی کوئی رپورٹ نہ دی۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر اِس طرح کام کیا جائے تو جماعت کی آئندہ ترقی کی کیا اُمید کی جا سکتی ہے۔ اگر جماعت نے قیامت تک چلنا ہے تو ہمیں بہرحال اپنے آپ کو اُن ذمہ داریوں کے اُٹھانے کے لیے تیار کرنا ہو گا جو ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کام پورا ہو کر رہے گا۔اگر تم اِس کام کو سرانجام نہ دو گے تو خدا تعالیٰ کسی اَور ملک کے افراد کو اس کام

کے لیے کھڑا کر دے گا۔ لیکن اگر بیرونی ممالک کے افراد نے یہ کام سرانجام دیا تو اِس سے مجھے اُتنی خوشی نہیں ہوسکتی جتنی تمہاری وجہ سے خوشی ہوسکتی ہے۔ تم میرے حقیقی بیٹے تو نہیں ہو لیکن اُس قُرب کی وجہ سے جو مجھے تم سے ہے تم مجھے دوسروں سے زیادہ عزیز ہو۔ اگر بیرونی ممالک کے نوجوان آگے آ گئے تو بیشک یہ اُن کے لیے اور اُن کے والدین کے لیے بڑی خوشی اور برکت کا موجب ہوگا۔ لیکن تم اس سے محروم رہ جاؤ گے۔ پس تم ان امور پر غور کرو اور مجھے بتاؤ کہ تم نے اِس بارہ میں غور کر کے کیا حل تلاش کیا ہے؟ کیا تم نے اپنی اصلاح کر لی ہے؟ کیا تم نے اپنے اندر دعاؤں کی عادت پیدا کر لی ہے؟ کیا تم میں اور دوسرے نوجوانوں میں نماز کی پابندی اور دین کی خدمت کی رغبت پیدا ہوگئی ہے؟ کیا تمہیں اِس بات کی تحریک ہوگئی ہے کہ تم مختلف مسائل کے متعلق علمی کتابیں تصنیف کرو؟ ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ کئی ضروری باتیں مسلمانوں کی تصنیف کردہ کتابوں میں نہیں ملتیں لیکن عیسائی مصنفین کی کتب میں اُن کا ذکر مل جاتا ہے۔ تفسیر لکھتے ہوئے میں نے بعض باتوں کی تحقیق کی تو مجھے معلوم ہوا کہ اُن کا ذکر ہماری تفسیروں میں نہیں لیکن عیسائیوں نے اُن کا ذکر کیا ہوا ہے۔ گویا اسلام کے تباہ کرنے والے لوگوں نے تو ہماری کتابیں پڑھیں لیکن خود مسلمانوں نے اُن کا مطالعہ نہیں کیا۔

پس تم علوم کی طرف توجہ کرو اور دنیا کے سامنے نئی چیزیں پیش کرو۔ اور یاد رکھو کہ زمانہ کی نئی رَو اور نئی ضرورتوں کے ساتھ تعلق رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ لو آپ نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن آپ کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جس قدر انکشافات فرمائے ہیں وہ دنیا کی نئی رَو اور ضرورت کے مطابق ہیں۔ پس تم بھی زمانہ کی رَو اور ضرورت کو ملحوظ رکھو اور یورپین مصنفین کی کتب کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ اُن کے دماغ کس طرف جا رہے ہیں۔ اگر تم نے اِس طرح کام کرنا شروع کر دیا تو تم دیکھو گے کہ خداتعالیٰ تمہارے کاموں میں کس طرح برکت ڈالتا ہے اور سلسلہ کا کام کس طرح چلتا ہے۔ لیکن یاد رکھو! تمہاری کتابیں حقیقی طور پر اُس وقت مفید کہلائیں گی جب خود عیسائی مصنفین یہ لکھیں کہ ہمیں

اِس وقت جو مشکلات پیش آ رہی ہیں اُن کا حل ہمیں اِنہی کتابوں میں ملا ہے''۔

(الفضل 11 فروری 1956ء)

1: تذکرہ صفحہ 112 طبع چہارم